مدارج سلوک

(از جناب ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب صدر شعبۂ فلسفہ جامعہ عثمانیہ)

(۲)

مشائخ طریقت کے اقوال ان احادیث سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے بعثت کا مقصود ہی یہ ہے کہ خلق اللہ کو دنیا کی طرف سے پھیر کر آخرت کی طرف متوجہ کریں ہم نے اوپر چند آیات قرآنی و احادیث نبوی سے استشہاد کیا ہے۔ آخر میں مشائخ طریقت کے چند اقوال اس باب میں پیش کرتے ہیں۔

فضیل بن عیاض کہا کرتے تھے۔

طالت فکرتی فی ھذہ الایۃ اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا (کھف)

یعنی اس آیت پر میں بہت تفکر کرتا ہوں کہ جو کچھ زمین پر ہے ہم نے اس کو اس کی زینت کے لئے اس لئے بنایا ہے تاکہ لوگوں کو جانچیں کہ ان میں سے کون اچھا کام کرتا ہے اور ایک روز اس سب کو چھانٹ کر چٹیل میدان بنا دیا جائے گا۔

اس سلسلہ میں ایک روز ابن عمرؓ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اَحْسَنُ عَمَلًا کون لوگ ہیں فرمایا۔

احسنکم عقلا واورعکم عن محارم اللہ واسرعکم فی طاعۃ سبحانہ[1]

یعنی جس کی سمجھ اچھی ہو۔ حرام سے زیادہ پرہیز کرے اور حق تعالیٰ کی فرمانبرداری کی طرف زیادہ جھپٹے۔

---

[1] حوالہ ؟ (در)

اس آیت کریمہ کا جس پر حضرت فضیل زیادہ غور کیا کرتے تھے یہی مفہوم ہے کہ جو لوگ دنیا کے بناؤ سنگھار پر ریجھ رہے ہیں وہ خوب سمجھ لیں کہ ان کا یہ زرق برق زیادہ دنوں باقی رہنے والی چیز نہیں دنیا کے زمینی سازوسامان خواہ وہ کتنے ہی جمع کر لیں اور مادی ترقی سے ساری زمین کو لالہ و گلزار کیوں نہ بنا دیں، جب تک ہدایت ربّانی و دولت روحانی سے تہی دست رہیں گے، سرور و طمانیت ابدی و نجات و فلاح سے ہم آغوش نہیں ہو سکتے، آخری و دائمی کامیابی صرف ان کے لئے ہے جو مولائے حقیقی کی خوشنودی پر دنیا کی ہر ایک زائل و فانی خوشی کو قربان کر سکتے ہیں اور راہ حق کی جادہ پیمائی میں کسی صعوبت سے نہیں گھبراتے، نہ دنیا کے بڑے بڑے طاقت ور جباروں کی تخویف و ترہیب سے ان کا قدم ڈگمگاتا ہے۔

مشائخ طریقت نے دنیا کی مثال سایہ سے دی ہے، سایہ متحرک ساکن ہے، یعنی حقیقت میں متحرک اور ظاہر میں ساکن، اس کی حرکت ظاہری نگاہ سے نہیں محسوس ہوتی بلکہ بصیرت باطن سے دریافت ہوتی ہے! ایک مرتبہ دنیا کا ذکر حضرت حسن بصری کے سامنے کیا جا رہا تھا۔ آپ نے فرمایا

احلام نوم او کظل زائل ان اللبیب بمثلها لایخدع

یعنی دنیا کی مثال خواب کی سی ہے یا زوال پذیر سایہ کی سی، عقلمند اس جیسی چیز سے دھوکا نہیں کھاتا!

حضرت امام حسنؓ یہ شعر اکثر پڑھا کرتے تھے۔

یا اهل اللذات دنیا لابقاء لها ان اغترار بظل زائل حمق

اے لذات دنیا کے پرستارو دیکھو ان کو بقا نہیں، زوال پذیر سایہ سے دھوکا کھانا حماقت ہے!

کہتے ہیں کہ ایک زاہد نے خواب میں دنیا کو ایک باکرہ کی شکل میں دیکھا اور حیرت زدہ ہو کر اس سے پوچھا کہ تو باوجود اس حسن و زینت کے اور باوجود ہزاروں شوہر رکھنے کے باکرہ کیسے رہ سکی؟ دنیا نے کہا کہ کیا میں تجھ سے سچی بات کہہ دوں؟ سچ تو یہ ہے کہ حقیقت میں کسی مرد نے میری طرف توجہ ہی نہیں کی اور سینکڑوں نامرد میری طرف لپکتے رہے، اسی وجہ سے میری دوشیزگی قائم ہے! کسی شاعر نے اس چیز کو ان ابیات میں پیش کیا ہے۔

زاہدے شد بخواب در فکرے دید دنیا بصورت بکرے
گفت زاہد کہ تو بزینت و فر بکہ چونی بکثرت شوہر

گفت دنیا کہ با تو گویم راست — کہ مرا ہر کہ مرد بود نخواست
آنکہ نامرد بود خواست مرا — این بکارت ازاں بجاست مرا

آخر میں عمر خیام کا عقل سے جو مکالمہ ہوا ہے وہ دلچسپ ہے اور اس سلسلے کے بعض حقائق کا انکشاف کرتا ہے۔

دوش با عقل در سخن بودم — کشف شد بر دلم مثالے چند
گفتم اے مایۂ ہمہ دانش — دارم الحق بتو سوالے چند
چیست این زندگانیٔ دنیا — گفت خوابیست یا خیالے چند
گفتم ازوے چہ حاصل است بگو — گفت دردِ سر و وبالے چند
گفتم این نفس کے شود رام — گفت چوں یافت گوشمالے چند
گفتم اہل ستم چہ طائفہ اند — گفت گرگ و سگ و شغالے چند
گفتم این بحث اہل دنیا چیست؟ — گفت بیہودہ قیل و قالے چند
گفتم اہل زمانہ در چہ فن اند؟ — گفت در بند جمع لالے چند
گفتم چیست کدخدائی؟ گفت — ساعتے عیش و غصہ سالے چند
گفتم او را مثال دنیا چیست — گفت زلفے کشیدہ خالے چند
گفتمش چیست گفتہ ہائے خیام — گفت پندست حسب حالے چند

ترک دنیا کا معنی تصفیہ قلب کے لیئے ان حقائق و دقائق پر غور کرنا ضروری ہے جن کا اوپر ذکر ہوا۔ صوفیہ کرام کے عمدہ مقامات میں سے ترک دنیا کا اسی معنی میں سبق ہے جس کا اوپر ذکر کیا گیا، صوفیہ نے نہایت خوبی سے ہماری توجہ حق تعالےٰ کی اس نصیحت کی طرف مبذول کی ہے کہ

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰہِ — لوگو بے شک خدا کا وعدہ سچا ہے، سو تم
حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّکُمُ الْحَیٰوۃُ — کو نہ بہکائے دنیا کی زندگی اور نہ دھوکا دے
الدُّنْیَا وَلَا یَغُرَّنَّکُمْ بِاللّٰہِ — تم کو اللہ کے نام سے وہ دغاباز (شیطان)
الْغَرُوْرُ (لقمان، آیت ۳۳)

دنیا مطلب تا ہمہ دینت باشد! — دنیا طلبی نہ آں نہ اینت باشد!

جو شخص دنیا اور اس کے سازو سامان کو شیطان (الغرور) کے راہ کا آلۂ کار بنا تا ہے اور اپنا تمام وقت نفس امارہ کی لذتوں کے حصول میں صرف کرتا ہے، وہ ایک اندھا جاہل ہے جس کو دوسرے عالم کی خبر نہیں، اور اسی جنس کے اندھوں کے متعلق قرآن کریم نے کہا ہے۔

يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غَافِلُوْنَ (الروم)

یہ لوگ حیاتِ دنیا کے ظاہر کو جانتے ہیں اور آخرت سے غافل ہیں۔

حق بات صرف اتنی ہے کہ حق تعالےٰ نے اس دنیا کو باطل اور بے معنیٰ نہیں پیدا کیا، رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا (آل عمران) کائنات کا یہ عظیم الشان کارخانہ بیکار نہیں جس کا کوئی مقصد نہ ہو، یقیناً ان عجیب وغریب حکیمانہ انتظامات کا سلسلہ کسی عظیم وجلیل نتیجہ پر مبنی ہونا چاہیئے اور وہ آخرت ہے جو فی الحقیقت دنیا کی موجودہ زندگی کا آخری نتیجہ ہے۔

یہ ساری عظیم الشان کائنات، سموات والارض انسان ہی کے لئے پیدا کی گئی ہے اور انسان کے تابع بنائی گئی ہے جیسا کہ قرآن کریم اعلان کرتا ہے۔

هُوَ الَّذِىْ سَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا (جاثیہ)

یعنی حق تعالےٰ نے اپنی قدرت وحکم سے جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے انسان کی خدمت گزاری میں لگا دیا ہے۔

ظاہر ہے کہ اگر انسان اس دنیا اور کائنات کی چیزوں کو استعمال نہ کرے اور ان سے بھاگ کر جنگلوں اور پہاڑوں کو آباد کرے تو اس دنیا کو پیدا کرنے کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے اور وہ محض باطل بن کر رہ جاتی ہے اسی لئے اسلام رہبانیت نہیں سکھلاتا قرآن کریم میں رہبانیت پر نکیر وارد ہوئی ہے۔

وَرَهْبَانِيَّةَ نِ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ (الحدید)

رہبانیت کو انہوں نے ایجاد کیا ہے ہم نے اس کی تعلیم نہیں دی ہے۔

یہ بات بھی اتنی واضح ہے کہ گویا دنیا کو انسان کے لئے پیدا کیا گیا ہے لیکن انسان کو دنیا کے لئے نہیں پیدا کیا گیا کہ اس میں غرق ہو کر مر کھپ جائے بلکہ وہ کسی اور اعلےٰ مقصد کے لئے پیدا کیا

گیا ہے۔ قرآن نے اس اعلیٰ مقصد کو ان الفاظ میں پیش کیا ہے۔

مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (الذاریات) ہم نے جن وانس کو نہیں پیدا کیا مگر اسلئے کہ عبادت کریں

اور حدیث میں اسی چیز کو یوں ادا کیا گیا ہے۔

الدُّنْيَا خُلِقَتْ لَكُمْ وَأَنْتُمْ خُلِقْتُمْ لِلْآخِرَةِ۔[1] دنیا تمہارے لیئے پیدا کی گئی ہے اور تم آخرت کے لیئے پیدا کیئے گئے۔

لہٰذا قرآن کریم کی رُو سے دنیا کا ترک کرنا، اس سے بھاگنا یا رہبانیت اختیار کرنا قطعاً درست نہیں بلکہ دنیا انسان کے لیئے ہے اور انسان خدا اور آخرت کے لیئے۔ یعنی خدا کے احکام و مرضیات کے مطابق دنیا کو استعمال کرنا تاکہ دوسری زندگی یا آخرت جس کے لیئے ہم پیدا کیئے گئے ہیں، اس کی نجات و کامیابی حاصل ہو! خلاصہ یہ کہ مسلمان کا کام نہ تارک الدنیا بننا ہے اور نہ عاشق دنیا، وہ دنیا دار ہے لیکن دنیا پرست ہرگز نہیں!

تصفیۂ قلب کے معنی اس وضاحت کی روشنی میں یہ قرار دیئے جا سکتے ہیں کہ انسان اپنی تمام خواہشوں اور تمام طاقتوں اور دنیا کی تمام چیزوں پر تصرفات کو حق تعالیٰ کے احکام و مرضیات اور ان کی محبت کے تابع کر دے، تصفیۂ قلب کے لیئے اس امر کی اجازت نہیں کہ وہ دنیا اور اس کے سارے تعلقات کو ترک کر دے، نہ اس کی اجازت ہے کہ اصولاً نکاح اور اہل وعیال ترک کر دے نہ اس کی اجازت ہے کہ اپنے جسمانی و ذہنی قوتوں کو کمزور و فنا کر دے بلکہ تصفیۂ قلب کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے تمام قوائے جسمانی و ذہنی کو تمام تر حق تعالیٰ کی ہدایت و راہ نمائی کے ماتحت کر دے، یعنی دنیا کی چیزوں کو جس حد تک اور جس طریقہ سے استعمال کرنے کا حق تعالیٰ نے حکم دیا ہے استعمال کرے اور اپنی قوتوں اور خواہشوں کو بھی احکام الٰہی کے مطابق کام میں لائے، یعنی اہل وعیال کے تعلقات، ملازمت و کسب معاش تجارت و صنعت و حرفت میں پڑ کر بھی ان حدود کو قائم و برقرار رکھے جو ان چیزوں کے متعلق مرضیات الٰہیہ نے قائم کیئے ہیں، اور ان کا سرانجام صرف رضائے حق کے لیئے ہو اور حق تعالیٰ کے سوا کوئی چیز مطلوب و محبوب نہ ہو۔

قرآن کی تعلیم نہ شکست خوردہ ذہنیت (Defeatism) پیدا کرتی ہے نہ جمود، خمود

---

[1] حوالہ؟ (ر)

(سمسمسمسم) ایک طرف یہ دنیا پرستی (سمسمسمسم) سے روکتی ہے تو دوسری طرف ترک دنیا اور رہبانیت سے منع کرتی ہے! ایک طرف وہ دنیا کی محبت اور مالایعنی کے اشتغال سے ہمیں روکتی ہے اور دوسری طرف عبادات میں تشدد اختیار کرنے سے بھی منع کرتی ہے! ابن مسعودؓ سے روایت کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُوْنَ، هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُوْنَ، هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُوْنَ۔ (رواہ مسلم)

یعنی تشدد کرنے والے ہلاک ہو گئے، تشدد کرنے والے ہلاک ہو گئے، تشدد کرنے والے ہلاک ہو گئے۔

کسی موقع پر آپ نے کیا خوب ارشاد فرمایا ہے۔

ان الدین یسر ولن یشاد الدین احد الا غلبہ فسددوا وقاربوا وابشروا واستعینوا بالغدوۃ والروحۃ وشیٔ من الدلجۃ (رواہ البخاری) وفی روایۃ سددوا وقاربوا واغدوا وروحوا وشیٔ من الدلجۃ القصد القصد تبلغوا۔

یعنی دین (یعنی دین کے احکام) آسان ہیں اور جو شخص دین میں تشدد کرتا ہے وہ مغلوب ہو جاتا ہے، صراط مستقیم کو مضبوط پکڑو اور میانہ روی اختیار کرو اور بشارت حاصل کرو۔ اور اوّل دن کے اور آخر دن کے اور پچھلی رات میں عبادت کرنے پر اعانت طلب کرو (اس کی ایک روایت میں یوں آیا ہے) صراط مستقیم کو مضبوط پکڑو اور میانہ روی اختیار کرو اول دن کے اور آخر دن کے اور پچھلی رات میں عبادت کرو، میانہ روی اختیار کرو تو مقصد کو پہنچ جاؤ گے!

حدیث میں غدوہ (پہلے پہر کا چلنا) روحہ (پچھلے پہر کا چلنا) دلجہ (پچھلی رات) استعارے اور تمثیل ہیں اور اس کے معنی یہ ہیں کہ حق تعالےٰ کی عبادت پر اپنے نشاط و آرام اور دل کی فراغت کے وقت تم اس کی امداد و اعانت طلب کیا کرو تاکہ عبادت میں لذت حاصل ہو اور ماندگی نہ ہو اور اپنے مقصد کو پہنچ جاؤ جس طرح دانا مسافر ان ہی وقتوں میں چلتا ہے، اور اپنے آپ کو اور اپنی سواری کو دوسرے وقتوں میں

آرام دیتا ہے۔ اس طرح بلا رنج و تعب مقصد تک پہنچ جاتا ہے۔

"الدین یسر" فرما کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واضح فرما دیا کہ جس شریعت پر عمل کا خدا نے حکم دیا ہے، اس کے احکام آسانی اور سہولت پر مبنی ہیں اور "لن یشاد الدین" سے یہ سمجھانا مقصود ہے کہ جو شخص دین کے کام میں اپنے نفس پر غیر ضروری امور میں تشدد کرتا ہے جیسا کہ راہب کیا کرتے ہیں، تو وہ بالآخران کے ادا کرنے سے عاجز اور لاچار ہو جائے گا اور چھوڑ بیٹھے گا۔

اسی قصد یا میانہ روی کے اصول کی وضاحت میں یہ فرمایا گیا۔

ان لربك عليك حقا وان لنفسك عليك حقا ولاهلك عليك حقا فاعط كل ذى حق حقه[1]

یعنی تیرے رب کا تجھ پر حق ہے، تیرے نفس کا تجھ پر حق ہے اور تیری عورت کا تجھ پر حق ہے تو ہر ایک حقدار کا حق ادا کر۔

نفس کے حق سے مراد وہ چیز ہے جو عبادت پر اعانت کا سبب بنے۔ حق نفس و حظِ نفس میں فرق ضروری ہے، یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد و نقیض ہیں، نفس کا حق ادا کرنا مامور بہ ہے اور ہوائے نفس کا اتباع منہی عنہ ہے۔ تصفیہ قلب کے مجاہدہ کے سلسلہ میں اس فرق کا پیش نظر رہنا ضروری ہے، ورنہ انسان ہوائے نفس میں مبتلا ہو کر یہ سمجھتا ہے کہ وہ صرف حق نفس ادا کر رہا ہے، اور ہلاک ہو جاتا ہے۔

نفس اور ہوائے نفس کی مخالفت کی غرض "موافقت حق" ہے جیسا کہ ارشاد نبوی ہے

حتى يكون هواه تبعا لما جئت به

یعنی یہاں تک کہ اس کی خواہش اس کے تابع ہو جائے جس کو میں لایا ہوں۔

اگر نفس بغیر کسی مجاہدہ کے حق کے ساتھ موافقت کرتا ہے اور ہوی تابع شرع ہو جاتی ہے تو یہ بہت ہی کامل چیز ہے، حضرت عمر بن عبد العزیز نے فرمایا ہے اذا وفق النفس الحق فذلك شهد بالزبد یعنی اگر ہوائے نفس موافق حق ہو جائے تو یہ حالت شہد اور مسکہ سے مشابہت رکھتی ہے جو آپس میں مل جاتے ہیں، مثلاً اگر کسی لڑکے کے والدین اس کو حلوا کھانے کا حکم دیتے ہیں اور نانِ جویں کھانے سے منع کرتے ہیں تو اس کے لئے حلوہ کھانا اور لذت اٹھانا روٹی کھانے اور ترکِ لذت

[1] رواہ البخاری۔

سے زیادہ فائدہ بخش ہے، امشائخ شاذلیہ کا طریقہ یہ رہا ہے کہ وہ طالب یا مرید کی ہدایت و تربیت اس کی طبیعت سے موافقت اور اس کی آسانی و راحت کا خیال رکھ کر کرتے ہیں، جس حالت میں وہ ہے اس سے فوراً باہر نکال لانے کی کوشش نہیں کرتے، اور نہ مجاہدہ اور ریاضت میں تشدد کرتے ہیں۔ اس کو ایسے اشغال بتاتے ہیں جو اس کے مزاج کے موافق اور طبیعت کے مناسب ہوتے ہیں، اس طرح تدریج و آسانی اور راحت و آرام کے ساتھ منزل مقصود تک پہنچا دیتے ہیں، ان اکابر کا یہ ارشاد ہے کہ جس کا سلوک الی اللہ اس کی طبیعت و مشاکلہ کے موافق ہوتا ہے، اس کے لیے وصول الی اللہ بھی سہل ہوتا ہے اور جو شخص حرکت طبعی کے خلاف چلتا ہے، حیز طبعی سے اس کا بعد جتنا زیادہ ہوگا۔ اس کی سیر الی اللہ اتنی ہی سست ہوگی، اور وصول میں اتنی ہی دیر ہوگی، چنانچہ شیخ ابن عطاء سکندری فرمایا کرتے تھے۔

لاتاخذ من الاذکار الاما	یعنی اذکار میں صرف ان ہی کو اختیار کرو جو
یعینک القوی النفسانیة	تمہاری نفسانی قوتوں کو حق کی محبت حاصل کرنے
علیہ لحبہ۔	میں مدد کرتے ہیں۔

یہ لن یشاد الدین الاغلبہ کی تنبیہ کو پیش نظر رکھ کر کہا گیا ہے اور اسی ہدایت کے پیش نظر شیخ ابوالحسن شاذلیؒ نے جو سلسلہ شاذلیہ کے امام ہیں فرمایا ہے کہ الشیخ من دلک علی راحتک یعنی شیخ وہ ہے جو تیری راحت کی طرف راہنمائی کرے، اور یہ پیروی ہے اس ارشاد نبوی کی ان الدین یسر اور اس حدیث کی یسروا ولا تعسروا (نرمی اختیار کرو سختی نہ برتو) آپ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ جس شخص نے دنیا کی طرف تیری راہنمائی کی، اس نے تیرے حق میں خیانت کی اور جس نے تجھے سخت مجاہدہ اور ریاضت کی تاکید کی اس نے تجھے رنج و تعب میں مبتلا کیا اور جس نے تجھے خدا کا راستہ بتلایا وہ درحقیقت تیرا ناصح اور خیر خواہ ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ پیر یا مرشد وہی شخص ہے جس کے ہاتھ میں وہ اعجاز ہو کہ دنیا والوں کے نفوس کو جو حقیقت کو لہو و لعب سمجھتے اور بزدل اور بیہودگی کو جد و سعی سے ملا دے، اپنی قوت اپنے تصرف سے توڑ کر رکھ دے اور اپنے قہر اعجاز سے ان پر نفس کی دنیا تنگ کر دے یہاں تک کہ ان پر زمین باوجود اپنی کشادگی کے تنگ ہو جائے اور وہ سمجھ جائیں کہ اللہ کے سوا انہیں کہیں پناہ نہ ملے گی۔

حَتّٰی اِذَا ضَاقَتْ عَلَیْھِمُ الْاَرْضُ　　یہاں تک کہ جب تنگ ہوگئی ان پر زمین

بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَیْھِمْ　　باوجود کشادہ ہونے کے اور تنگ ہوگئیں ان پر

اَنْفُسُھُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ　　ان کی جانیں اور سمجھ گئے کہ پناہ نہیں اللہ سے

مِنَ اللّٰہِ اِلَّآ اِلَیْہِ (توبہ ۱۴)　　مگر اسی کی طرف۔

روئے زمیں ز تیرگیِ منکران عشق

محتاجِ شست و شوی وگر شد کجاست نوح!

ریاضت و مجاہدہ کے لئے شیخ کامل کی ضرورت[1] اہل بصیرت کے ہاں یہ مسلّم ہے کہ ریاضت و مجاہدہ شیخ کامل کی تعلیم ہی سے مفید ہوتا ہے۔ عادت اللہ یہی نظر آتی ہے کہ معنوی نجاستوں سے تطہیر اور نماز اور تمام عبادتوں میں حضور و خشوع اس وقت تک میسّر نہیں ہوتا جب تک شیخ کامل کی ہدایت میں راہ سلوک طے نہیں کی جاتی، وہ شیخ کامل جو علاج نفسانی اور حکمت و معالات سے علماء ذوقاً و تجربتہً واقف ہو، اگر اخلاق ذمیمہ کا مریض فن اخلاق کی کتابیں پڑھتا اور ان کو یاد کرلیتا ہے تو یہ نہیں سمجھا جاسکتا کہ وہ شیخ کی تربیت سے مستغنی ہوگیا، جس طرح امراض جسمانی کا مریض طب کی کتابیں پڑھ کر اپنا علاج نہیں کرسکتا، چنانچہ شعرانی نے انوار قدسیہ میں لکھا ہے کہ اہل طریق کا اس امر پر اتفاق ہے کہ راہ سلوک کے طے کرنے کے لئے شیخ کی راہنمائی ضروری اور واجب ہے، تاکہ انسان سے وہ صفات دور ہوں جو حضرت رحمان کی بارگاہ میں رسائی سے مانع ہوتے ہیں، اس کی نماز کی تصحیح ہو جائے اور عبادات میں حضور و خشوع پیدا ہو، اس میں کوئی شک نہیں کہ امراض باطن کا علاج واجب ہے، کیونکہ قرآن کی آیات اور نبی کریم کی احادیث ان امراض باطن کی تحریم اور ان کی عذاب کی وعیدوں سے بھری

[1] متاخرین صوفیہؒ نے سالک کے لئے ریاضت و مجاہدہ کے جو طرق تجویز کئے ہیں ان پر سلوک کے لئے واقعی "شیخ کامل" کی ضرورت ہے کہ یہ راہ مزلت اقدام کا احتمال قوی رکھتی ہے۔ لیکن اگر احادیث میں وارد اذکار و وظائف کا مسنون طرق سے التزام کیا جائے اور تلاوت قرآن اور قرآن و حدیث کی تبلیغ اور درس و تدریس کی مداومت ہو اس کے ساتھ صحابہ و تابعین و آئمہ سلف کی سیرتوں کا مطالعہ رکھا جائے اہل العلم والعمل بالحدیث کی صحبت حاصل ہو تو "شیخ کامل" کیا ضرور ہے۔ لکل وجھۃ ھو مولیھا فاستبقوا الخیرات

(رحیق)

پڑی ہیں اس لئے اگر ان صفات رذیلہ سے نجات حاصل کرنے اور تزکیۂ نفس و تصفیۂ قلب کے لئے شیخ کامل کی پیروی نہ کی جائے، تو خدا ورسول کی نافرمانی لازم آتی ہے، اگر بغیر شیخ کے خود اپنی ذاتی کوشش سے وہ ان صفات کو دور کرنا چاہے گا تو وہ کامیاب نہ ہوگا، اس کی مثال بعینہٖ اس شخص کی سی ہوگی جو طب کی کتابوں کو تو حفظ کر لیتا ہے لیکن مرض کا صحیح اور موزوں نسخہ تجویز نہیں کر سکتا اور نہ مریض کے خاص حالات کے لحاظ سے اس کے مرض کو پہچان کر علاج کر سکتا ہے، ہمیشہ سے سنت اللہ یہی رہی ہے کہ زندہ سے زندہ کو فیض پہنچتا ہے، اور چراغ سے چراغ روشن ہوتا ہے وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا اسی لئے کہا گیا ہے۔

اصبحوا مع الله فان لم	اللہ کے ساتھ صحبت رکھو، اگر اللہ کے ساتھ صحبت
تستطیعوا ان تصبحوا مع الله	اختیار کرنے پر قادر نہ ہو تو پھر اس کی صحبت اختیار
فاصبحوا مع من یصحب مع الله	کرو جو اللہ کی صحبت میں رہتا ہے یہاں تک کہ
حتی یوصلکم الی الله عزوجل	تم بھی اللہ عزوجل کی صحبت میں پہنچ جاؤ۔

اسی چیز کو مولانائے روم نے مثال کے ذریعے یوں سمجھایا تھا۔

ہیچ چیزے خود بخود پیدا نہ شد ہیچ آہن خود بخود تیغے نہ شد
مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم تا غلام شمس تبریزے نہ شد

اور خواجہ خواجگان نقشبند نے نصیحت فرمائی تھی۔

نیست ممکن در رہ عشق اے پسر راہ بردن بے دلیل راہ بر

اس لئے ضروری ہے کہ آئینہ دل کو ایسے صاحب جمال کے روبرو رکھا جائے، جس کا دل زندہ اور مشاہدۂ الٰہی کے شرف سے مشرف ہو چکا ہے، اسی صورت میں اس صاحب جمال کے دل کے آئینہ پر جو کچھ ہوتا ہے ہمارے آئینۂ دل میں منطبع ہو جاتا ہے اور راہِ فیض کشادہ ہو جاتی ہے اور ہم چیخ اٹھتے ہیں۔

سالہا در پے مقصود بجہاں گردیدیم
دوست در خانہ و ما گرد جہاں گردیدیم

تصفیۂ قلب ہی کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ دل ہی میں تو ہیں اور ہم ان سے غافل ہیں۔ وہ ہر آن حاضر ہیں اور ہم ان سے غائب:

آں نافہ را کہ جستی ہم با تو در گلیم است
تو از سیہ گلیمی بوئے ازاں نہ بردی

کہا جاتا ہے کہ داؤد علیہ السلام نے اپنی مناجات میں حق تعالیٰ سے پوچھا کہ حق تعالیٰ! میں تجھے کہاں تلاش کروں، فرمایا۔ انا عند منکسرۃ قلوبھم لاجلی "یعنی جو قلوب غرور خودی سے صفا پاکر اور تن پروری و شہوات نفس سے رہائی پاکر حق تعالیٰ ہی کے لئے ٹوٹ چکے ہیں ان کے پاس۔"

چیزے کہ تو جویاں نشان ادی!
باتست ہمی تو جائے دیگر جوئی!

جب قلب کو معاصی سے محجب اور غیر حق سے مملو کر دیا جاتا ہے تو پھر یہ چشمہ آب حیات مٹی سے بھر جاتا ہے اور خشک ہو جاتا ہے۔

آں چشمہ کہ زاں خضر خورد آب حیات
باتست ولیکن بگل انباشتہ

تصفیہ قلب کا طریقہ ذکر الٰہی پر مداومت ہے اہل بصیرت روح اللہ ارواحہم نے تصفیہ قلب کے لئے ذکر الٰہی کو سب سے زیادہ موثر طریقہ قرار دیا ہے، تمام عبادات کا مقصود ذکر الٰہی ہے اور ذکر دوام ہی سے حق تعالیٰ سے انس و محبت پیدا ہوتی ہے اور دنیا کی محبت سے قلب کا تخلیہ ہو جاتا ہے اصل مسلمانی کلمہ لا الٰہ الا اللہ ہے اور یہ عین ذکر ہے اور دوسری تمام عبادتیں اسی ذکر کی تاکید ہیں۔ نماز کی روح کیا ہے؟ یہی ذکر اسی کا بسبیل ہیبت و تعظیم قلب میں تازہ کرنا! روزوں سے مقصود شہوتوں کا توڑنا ہے کیونکہ جب دل شہوتوں کی نجاست سے پاک ہو جاتا ہے تو ذکر کی قرارگاہ بن جاتا ہے، حج کا مقصود رب البیت کا ذکر اور اس کی لقا کا شوق ہے، ترک دنیا و ترک شہوات ذکر ہی کی فراغت حاصل کرنے کی خاطر ہیں، امر و نہی کا مقصود بھی ذکر ہی ہے اور ذکر کی حقیقت یہ ہے کہ قلب تمام چیزوں کی محبت سے خالی ہو کر اور تمام سے ٹوٹ کر حق تعالیٰ کی طرف راغب ہو جائے اور بموجب وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلًا (المزمل) حق تعالیٰ کی محبت اس قدر غالب ہو جائے کہ کسی دوسری چیز کی طرف التفات نہ کرے اور ہر چیز سے جی تعلق منقطع ہو جائے اور حق کے سوا کوئی معبود، محبوب و مطلوب باقی نہ رہے۔

جب سالک کسی شیخ کامل سے ذکر کی تلقین حاصل کر کے فرائض و سنن کی ادائی کے بعد ہمہ تن ذکر میں

مشغول ہو جاتا ہے، نوافل، اذکار و تسبیحات کو چھوڑ کر کلمہ لا الٰہ الا اللہ پر اقتصار کرتا ہے، روز و شب بلکہ ہر ساعت و ہر لحظہ اسی ذکر میں منہمک ہو جاتا ہے، اس کے سوا ساری چیزوں کو بلا و محنت جانتا ہے۔ ساری کائنات کے فکر و اندیشۂ فکر سے فارغ ہو جاتا ہے اور ہر حالت اور ہر وقت اسی ذکر سے تعلق رکھتا ہے، تو اس کے قلب سے حجابات اٹھ جاتے ہیں۔ اور یہ حجابات قلب پر صور کونیہ کا انتعاش کا نتیجہ ہیں، ذاکر لا الٰہ کی تیغ بے نیام سے محدثات کون کی نفی کرتا ہے۔ تمام خاطر و ہواجس کی نفی کرتا ہے اور الا اللہ سے وجود قدیم حضرت حق جل ذکرہ کو منظر لقا و مقصود و مطلوب مشاہدہ کرتا ہے، ہر اس چیز کی جس سے دل کو لگایا ہے نفی کرتا ہے اور اس کو باطل قرار دیتا ہے اور اس کی جگہ کلمہ اثبات سے محبت حق کو قائم کرتا ہے یہاں تک کہ تدریجی طور پر قلب اپنی تمام محبوب و مالوف چیزوں سے فارغ و خالی ہو جاتا ہے اور حقیقت توحید ذاکر کے قلب میں راسخ ہو جاتی ہے، اس کی چشم بصیرت کھل جاتی ہے، اب اس کے لئے عقل و توحید میں کوئی تناقض باقی نہیں رہتا اور اس وقت حقیقت ذکر لازم قلب ہو جاتی ہے حقیقت ذکر اور جوہر قلب ایک ہو جاتے ہیں اسی حالت کو شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے تجرید قلب سے تعبیر کیا ہے، غیر حق کا کوئی خیال و اندیشہ قلب میں باقی نہیں رہتا، ذاکر ذکر میں اور ذکر مذکور میں فنا ہو جاتا ہے اور قلب زحمت غیر سے فارغ ہو جاتا ہے اور بفحوائے لا یسعنی ارضی ولا سمائی ولکن یسعنی قلب عبدی المومن میری زمین اور میرے آسمان میں میری سمائی نہیں لیکن میرے مومن بندے کے قلب میں میری سمائی ہے تو جمال سلطان الا اللہ تجلی کرتا ہے اور خاصیت کل شئی ھالک الا وجہہ آشکارا ہو جاتی ہے۔

یہ ہے تصفیۂ قلب اور اس کا انجام، صوفیا اسی حالت کو فنا یا نیستی سے یاد کرتے ہیں اور سیر الی اللہ کی نہایت قرار دیتے ہیں۔

چیست معراج فلک ایں نیستی		عاشقاں را مذہب و دیں نیستی!
ہیچ کس را تا نگردد او فنا		نیست رہ در بارگاہ کبریا (رومی)

یہ "راہ رفتن" ہے "راہ گفتن" نہیں، اس کے بیان کرنے میں کوئی فائدہ نہیں! اہل اللہ نے اس سلسلہ میں جو کچھ بھی کہا یا لکھا ہے وہ طالب حق کی ترغیب و تشویق کے لئے ہے۔

اس پاک و مصفی قلب کے متعلق صاحب روح الارواح نے حق تعالے کے خطاب کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے

"حق تعالے با قوالب سخن از ربوبیت گفت و با قلوب حدیث محبت کرد کہ اے قوالب من خدایم

واے قلوب من دوستم .... اے قوالب در تعب باشید کہ ربوبیت از عبودیت تقاضا می کند واے قلوب در طرب باشید شما در حقائق مجاہدات وائے قلوب شما در حقائق مشاہدات! اے قوالب شما طاعت رہا مکنید وائے قلوب شما طاعت تنہا مکنید! اے قوالب بر رنج باشند واے قلوب بر سر گنج باشید[1]۔"

چنانچہ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص اظہار سخاوت یا طلب آخرت کے سوا کسی اور سبب سے دنیا ترک کرتا ہے، اس کو زاہد نہیں کہا جا سکتا، بلکہ دنیا کو آخرت کے لیے بیچنا بھی اہل کرامت کے نزدیک زہد ضعیف ہے، عارف وہ ہے جو آخرت کو بھی اس طرح اپنی نظروں کے سامنے سے اٹھا دیتا ہے[2] جس طرح کہ دنیا کو، اور دنیا و آخرت سے سوا حق تعالےٰ کے اس کا کوئی مقصود و مطلوب نہیں ہوتا اور حق تعالےٰ کے سوا ہر سے اس کی نظر میں حقیر ہو جاتی ہے، یہ ہے "زہد عارفاں" ہو سکتا ہے کہ یہ عارف ایسا ہو کہ مال سے بھاگتا نہ ہو بلکہ مال حاصل کرتا ہے اور اس کو اپنے محل و مقام پر صرف کرتا ہے اور مستحقین کو دیتا ہے جیسا کہ حضرت عمرؓ جن کے قبضہ میں روئے زمین کی دولت تھی اور ان کا قلب اس سے بالکل فارغ و خالی تھا، بلکہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی طرح ایک لاکھ درہم ایک ہی روز میں خرچ کر دیتی ہیں اور اپنے لئے ایک پیسہ کا گوشت بھی نہیں خریدکرتیں ہو سکتا ہے کہ عارف کے ہاتھ میں ایک لاکھ درہم ہوں اور وہ زاہد ہو، اور دوسرے شخص کے ہاتھ میں ایک پیسہ بھی نہیں ہوتا اور وہ زاہد نہ ہو۔ کمال یہ ہے کہ نہ دل دنیا سے موٹا اور نہ اس کی طلب میں مشغول ہوتا ہے اور نہ اس سے بھاگنے میں مصروف، یہ اس وجہ سے کہ وہ دنیا کو نہ دوست رکھتا ہے نہ دشمن، جو شخص کسی شے کو دشمن سمجھتا ہے وہ اس میں مشغول ضرور ہوتا ہے بالکل اسی شخص کی طرح جو اس کو دوست سمجھتا ہے، کمال تو یہ ہے کہ قلب حق تعالےٰ کے سوا ہر شے سے فارغ ہو جائے، عبداللہ بن مبارک کو کسی نے "اے زاہد" کے خطاب سے مخاطب کیا آپ نے فرمایا کہ زاہد عمر بن عبدالعزیز ہیں کہ مال دنیا ان کے ہاتھ میں ہے اور وہ اس پر قادر بھی ہیں تاہم زاہد ہیں، میرے ہاں تو کچھ نہیں، پھر میرا زہد کیسے درست ہو سکتا ہے۔

الزھد وھو ترک ما شغلہ عن اللہ تعالےٰ

---

[1] منقول از شمائل الاتقیا از شیخ رکن الدین دبیر کاشانی خلد آبادیؒ، مطبوعہ اشرف پریس حیدر آباد دکن ۱۳۴۷ھ ص ۲۶۳۔

[2] فیہ نظر (رحیق)